ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ڈاکٹر ذوالفقار علی بحیثیت مزاح نگار

عامر بشیر - ریسرچ سکالر، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس
ڈاکٹر فاطمہ جلال - اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد کیمپس

Abstract:
Humor is the integral part of human life. To escape the seriousness and pain of life, Satire and Humor writers created various forms of humor to temporarily diminish the impact of the harsh realities of life. All these writers try to spread a smile on the faces of human being. Due to social disorders, issues and domestic situations; cause mental stress for the modern man. Such a job of humorist is like a good psychiatrist who strives to reduce environment pressure through his humor. This article describes the comic services of Dr. Zulfiqar Ali who has currently become the source of reducing nervous conflict of human race. In his writings he described the different aspects of life in a very derisory way. He is a natural humorist. In 21st Century his four books are the master piece of humor writings. Zulfiqar Ali's comedy cannot be ignored in the contemporary literary scene. Instead of humor and arrogance, the element of politeness prevails among them, which is the result of their deep observation and philanthropy. He doesn't believe in chewed morsels and made his own way. His humorous writings tickle the reader with spontaneous and sometimes his sentences fill the reader with a sarcastic pinch. In this article, not only the research review of his comedy has been done but also reflects the way Dr Zulfiqar Ali used to describe aesthetic sense to show his inclination towards humor.

Key Words: Humor, Society, Distortion, Parody, Satire, Social inequality, Aesthetic sense

کلیدی الفاظ: مزاح، معاشرہ، تحریف نگاری، پیروڈی، طنز، معاشرتی ناہمواری، جمالیاتی حس

ڈاکٹر ذوالفقار علی کا شمار پاکستان کے معروف و مقبول مزاح نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اکیسویں صدی کے اوائل میں مزاح نگاری میں قدم رکھا۔ وہ ایک فطری مزاح نگار ہیں۔ معاصر ادبی منظر نامے میں ذوالفقار علی کی مزاح نگاری کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ہاں ہزل گوئی اور پھکڑ پن کے بجائے شائستگی کا عنصر غالب ہے جو ان کے گہرے مشاہدے اور انسان دوستی کا غماز ہے۔ ان کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے اور وہ چبائے ہوئے لقموں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ اپنا راستہ خود بناتے ہیں۔ ان کی مزاحیہ تحریریں بے ساختہ اور برجستہ جملوں سے قاری کو گدگداتی ہیں اور کہیں کہیں ان کے جملے قاری کو طنز بھری چٹکی بھی بھر لیتے ہیں۔ اس مضمون میں ان کی مزاح نگاری کا تحقیقی جائزہ ان کی کتب کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی ۱۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو تحصیل گوجرہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر ذوالفقار نے ایم اے اور ایم فل کے امتحانات بالترتیب ۲۰۰۱ء اور ۲۰۰۴ء میں یٹنل کالج، لاہور سے پاس کیے۔ انھوں نے ''اردو سفر نامے میں یورپ کی معاشرت'' کے عنوان سے ۲۰۱۶ء میں تحقیقی مقالہ لکھ کر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور سے پی ایچ۔ڈی مکمل کی۔ آپ ۲۰۰۶ء میں لیکچرار بھرتی ہوئے اور آج کل بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ اصغر حال کالج، راولپنڈی میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اب تک ان کے چار نثری مزاح پارے سامنے آچکے ہیں:

۱۔"اٹکھیلیاں"(۲۰۰۲ء)	۲۔''چھیڑ چھاڑ"(۲۰۰۷ء)
۳۔"چٹکیاں"(۲۰۱۲ء)	۴۔"چسکیاں"(۲۰۲۱ء)

''اٹکھیلیاں''

ڈاکٹر ذوالفقار علی احسن کے نثری مزاح کا پہلا مجموعہ ''اٹکھیلیاں'' کے عنوان سے حق پبلی کیشنز، لاہور سے پہلی بار ۲۰۰۲ء میں طبع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۲۰ء میں مثال پبلشرز، فیصل آباد سے شائع ہوا۔ ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل اس مزاح پارے میں ''اعترافِ جرم'' کے عنوان سے مصنف کے دیباچے کے علاوہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

کئی نابغہ روزگار شخصیات کی آراء بھی موجود ہیں جن میں ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری، ڈاکٹر سعید احمد، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، سرفراز شاہد اور عطاء الحق قاسمی شامل ہیں۔ یہ نثری مزاح پارہ کل سترہ مزاحیہ مضامین پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی کی اس کتاب کے پہلے مضمون بعنوان ''اوری اینٹل نامہ'' میں اورینٹل کالج میں داخلہ لینے سے ایم اے اردو کرنے تک کے حالات وواقعات اور تجربات کو شگفتگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے کالج کے طلبا و طالبات کی نفسیات اور ذہنی رجحانات کا نقشہ بڑے دلچسپ انداز میں کھینچا ہے۔ علاوہ ازیں کالج اساتذہ اور اردو زبان وادب کے نامور تخلیق کاروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں طلبا و طالبات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں مثلاً ان کی صحت، لباس، کھانے پینے کے انداز وغیرہ کو طنزیہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ صنفِ نازک کا ذکر اس مضمون میں بارہا دلچسپ پیرائے میں کیا گیا ہے:

> ''ہماری کلاس میں لڑکیوں کی تعداد (۶۵) پینسٹھ ہے اور شاید اسی وجہ سے پینسٹھ والے حالات بنے رہتے ہیں۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ چھ کم ہیں ورنہ وہ کب کی اُدھر اور ہم اِدھر ہوتے۔ یوں کہہ لیجیے کہ اوری اینٹل کالج میں لڑکیاں اس طرح چھائی ہوئی ہیں جیسے کپاس کی فصل پر امریکن سنڈیاں لیکن کہیں کہیں ''رس چوسنے'' والے کیڑے بھی پائے جاتے ہیں۔''(۱)

مذکورہ بالا مضمون میں مزاح پیدا کرنے کے لیے لفظی شعبدہ بازی کے حربے کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ انھوں نے لفظی الٹ پھیر اور رعایتِ لفظی سے خوب صورت مزاح پیدا کیا ہے۔ مختلف اشعار اور مصرعوں کے بر محل استعمال سے بھی مزاح پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ پنجابی اور انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ انھوں نے مختلف اصطلاحات کو توڑ مروڑ کر بھی قاری کے لبوں پر تبسم بکھیرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

ادیب کو معاشرے کا حساس ترین فرد کہا جاتا ہے۔ ایک مزاح نگار ہمارے ان سماجی اور معاشرتی رویوں اور حقائق کو سامنے لاتا ہے جو عام آدمی کی نگاہ سے اوجھل رہتے ہیں۔ ذوالفقار علی احسن نے بھی اپنے مضمون بعنوان ''شادی خانہ بربادی'' میں مختلف واقعات اور حقائق کے ذریعے ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کی بے جا رسومات کو تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ شادی کے داخلی اور خارجی مسائل کو انوکھے انداز میں قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ انھوں نے شادی سے قبل اور شادی کے بعد دولہا کے رویے اور نفسیات کی طنزیہ انداز میں عکاسی کی ہے اور دولہا کو قربانی کے بکرے سے تشبیہ دی ہے۔ شادی کے حوالے سے ان کی رائے کچھ یوں سامنے آتی ہے:

> ''انسان خطا کا پتلا ہے مگر اپنی خطاؤں کا احساس اسی وقت ہوتا ہے۔ جب پانی سر سے گزر جاتا ہے اور ایسے مواقع پر پانی بھی سر سے ایسے گزرتا ہے جیسے غریب کے اچھے دِن گزرتے ہیں۔ شادی وہ پھل ہے جسے کھانے والا بھی پچھتاتا ہے اور نہ کھانے والا بھی، لیکن بھلائی اسی میں ہے کہ کھا کر ہی پچھتایا جائے۔'' (۲)

مزاح نگار کا بنیادی کام لوگوں کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھیرنا ہی نہیں بلکہ تفننِ طبع کے ساتھ معاشرتی ناہمواریوں کو اجاگر کرنا بھی ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی بھی ایک ماہر سرجن کی طرح ہمارے معاشرے کے مختلف ناسوروں کو قلم کے ذریعے جڑ سے کاٹ کر پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون بعنوان ''بیمارستان'' میں ہسپتالوں کی اندرونی فضا اور ہمارے ملک میں سرکاری ہسپتالوں کی حالت زار پر طنز کے نشتر چلائے گئے ہیں۔ ڈاکٹروں کی اقسام اور حلیہ نگاری کو اس چابکدستی سے قلمبند کیا ہے کہ قاری بے اختیار ہنسنے لگتا ہے۔ انھوں نے ایک ماہر صحافی کے مانند ڈاکٹر کے اصل چہرے اور کردار کو بے نقاب کیا ہے اور مریضوں کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کا طنز کے نشتر سے پردہ چاک کیا ہے:

> ''ہمارے تھانوں اور ہسپتالوں میں محض یہ فرق ہے کہ ہسپتالوں میں پرچی ہوتی ہے اور تھانوں میں پرچہ۔ بالخصوص ہسپتالوں میں مریضوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ترقی یافتہ ممالک تیسری دُنیا سے روا رکھتے ہیں۔'' (۳)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نہ صرف معاشرتی ناہمواریوں کو زیرِ قلم لاتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر ہونے والے مظالم پر بھی طنز کے نشتر ضرور چلاتے ہیں۔ انھوں نے طاقتور ممالک کی ظالمانہ پالیسیوں اور دوہرے معیار کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ اس تناظر میں ان کا مضمون ''کُریدتے ہو جو اب راکھ'' قابلِ مطالعہ ہے جس میں امریکہ اور یورپ کے منافقانہ طرزِ عمل کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس حوالے سے افغانستان پر امریکی حملے، ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی، کشمیر اور فلسطین کے مسئلے پر عالمی طاقتوں کی مجرمانہ خاموشی اور طوطہ چشمی کو طنزیہ انداز میں مصنف نے مذکورہ مضمون میں تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ الفاظ کے ہیر پھیر سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مضمون میں ان کے لہجے میں زہر خند اور تلخی واضح طور سے محسوس کی جاسکتی ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''امریکہ کا ''سورمایہ'' دارانہ نظام جس کی چکاچوند سے وہ غریب ممالک کی آنکھوں کو خیرہ کیا کرتا تھا۔ گیارہ ستمبر کو خود بھینگا ہو گیا اسی لیے اب مسلمانوں کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ رہا ہے مگران کو یہ بات بھی دھیان میں رکھنا ہو گی کہ غیور بچے نشانے میں اتنے طاق ہیں کہ غلیل سے بھی آنکھیں پھوڑ ڈالیں گے۔۔۔!'' (۴)

''لاٹھی چارج'' کے عنوان سے شامل مضمون میں مصنف نے وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی کرپشن، افسر شاہی نظام اور غریبوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر طنز کے نشتر چلائے ہیں۔ ان کے مطابق پاکستان میں مقتدر طبقہ عوام سے غیر انسانی برتاؤ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ انھوں نے ہر سرکاری ادارے کو ایک لاٹھی سے تشبیہ دی ہے جو غریب عوام پر برسائی جاتی ہے۔ ان میں بیوروکریسی کی لاٹھی، فوج کی لاٹھی، پولیس کی لاٹھی، عدلیہ کی لاٹھی اور محکمہ خوراک کی لاٹھی شامل ہیں۔ انھوں نے پاکستان میں طبقاتی تقسیم اور عوام کی بدحالی کو طنزیہ انداز میں اس اقتباس میں سمونے کی کامیاب سعی کی ہے:

''خواص اس امر پر متفق ہیں کہ ان متنوع اقسام کی بھینسوں کو معاف کیجیے گا لوگوں کو ہانکنے کے لیے لاٹھیاں بھی طرح طرح کی ہونی چاہئیں۔ کبھی مہنگائی کی شکل میں، کبھی بِل کی صورت میں اور کبھی ٹیکس کے نام پر لاٹھیاں غریب آدمی کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔'' (۵)

عصرِ حاضر میں میڈیا کی اہمیت اور معاشرے میں اس کے بڑھتے ہوئے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میڈیا ایک طرف تو ہمیں دنیا میں رونما ہونے والے حالات و واقعات سے باخبر رکھتا ہے تو دوسری طرف یہ ہمارے معاشرے میں شعور اور آگاہی پیدا کرنے میں بھی پیش پیش ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہمارا میڈیا اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برت رہا ہے اور معاشی فوائد کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اپنے مضمون بعنوان ''''اشتہاری '' ٹی وی '' میں پاکستان کے نجی اور سرکاری میڈیا کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ بصری ادب اور میڈیا پر ہماری اسلامی اور مشرقی روایت کو دکھانے کے بجائے مغربی ثقافت کو اجاگر کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہوتی جارہی ہے۔ یہ میڈیا اور اخبارات جھوٹ کے پلندے کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس تناظر میں یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہمارا ٹی وی ماشاء اللہ اتنی ترقی کر گیا ہے کہ رنگین تو رنگین اب تو بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی پر بھی ''رنگین'' پروگرام نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر آج کل ٹی وی پر جو پروگرام پیش کیے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان میں شاید کپڑے کا فقدان ہے۔۔۔ ہمارا ٹی وی یورپ کا مقابلہ کر رہا۔'' (۶)

پاکستان کے ہر شہر میں زرائع آمدورفت کے مسائل ہیں خصوصاً بڑے شہر اس معاملے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی کے مضمون بعنوان ''لوکل بس سے کالج تک'' میں ذرائع مواصلات کی ابتر صورت حال کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ مصنف کے خیال میں پاکستان میں لوکل بسیں موت کے فرشتوں کے مانند ہیں۔ سڑکوں کی غیر تسلی بخش صورت حال، ڈرائیور حضرات کی لاپرواہی اور مفاد پرستی اور بسوں کی ناگفتہ بہ صورت حال عام پاکستانیوں کے سفر کو خطرات سے دوچار کرنے کے نمایاں اسباب ہیں۔ بسوں میں گنجائش سے زیادہ عوام کو داخل کر لیا جاتا ہے جیسے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو گلے میں باندھا جاتا ہے۔ ہمارے عوام بھی سفری قوانین سے یا تو نابلد ہیں یا وہ ان قوانین کو خاطر میں نہیں لاتے۔ علاوہ ازیں آبادی میں بے تحاشہ اضافہ بھی ٹریفک مسائل کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے صورت حال کی عکاسی یوں کی ہے:

''یوں لوکل بسوں میں رش کا تو یہ عالم ہوتا ہے کہ خارش اپنی ٹانگ پر ہوتی ہے اور کھجائی ساتھ والے کی کی جاتی ہے۔ اس طرح وہاں اپنی پرائی ٹانگ کا کوئی امتیاز نہیں رہتا۔۔۔ بلکہ اس مقام پر یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ پاکستان میں مرد اور عورت شانہ بشانہ سفر کر رہے ہیں۔'' (۷)

انھوں نے مضمون ''ہو جائے گا'' میں پاکستان کے سرکاری اداروں میں بے ضابطگیوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ہمارے سرکاری دفاتر میں سفارش اور رشوت کے بنا کوئی کام بھی نہیں ہوتا۔ غریب اور نچلا طبقہ اپنا جائز کام کروانے سے بھی قاصر ہے۔ اس مضمون میں صرف ایک ادارے کی مثال سے تمام سرکاری اداروں کی نااہلی اور بددیانتی کو طنز کے نشتر چلا کر بے نقاب کیا گیا ہے۔ مضمون پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا پورا ملک جگاڑ پر چل رہا ہے۔ اس میں مصنف نے افسانوی طرز پر امیر بخش کا کردار تراش کر ایک غریب اور عام آدمی کی مشکلات کی ترجمانی کی ہے اور طنزیہ اسلوب کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ امیر بخش کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ بنوانے کے لیے اس کے والدین کو جن لاینحل مسائل کا سامنا کرنا پڑا، اس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''پھر یوں ہوا کہ کارپوریشن کا دفتر تھا اور امیر بخش تھا اور حرفِ تسلّی۔ اسی تکون میں اُلجھے ہوئے پانچ مہینے گزر گئے۔ ان پانچ مہینوں میں جب اس کی فائل اگلے کلرک کی میز تک پہنچی تو وہ اس پر بہت خوش تھا۔ فائل کا سفر بھی ہمارے ملک کی ترقی کی طرح کافی سست تھا۔ دوسرا کلرک ضرورت سے زیادہ ہی سست تھا۔ امیر بخش صبح اُسے سلام کرتا جب واپس آنے لگتا تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا۔ اس طرح چھ ماہ اور اس کلرک کی سستی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ وہ تو خدا کا شکر کہ اس عرصے میں ایک کلرک سے اس کی دوستی ہو گئی اور آخر کار اسے بیٹے کی جنم پرچی مل ہی گئی۔'' (۸)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اپنے مضامین میں متنوع موضوعات پر مزاحیہ انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ مزاح کی ست رنگی دھنک ہے۔ ان کے مضامین ہمارے معاشرے کی ناہمواریوں اور کج رویوں پر چوٹ کے مانند ہیں۔ پاکستان میں پیدا ہونے والے مسائل اور اس کے ذمہ داروں کو انھوں نے طنزیہ انداز میں آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ سماجی، معاشرتی اور معاشی زبوں حالی کے ساتھ ساتھ اداروں کی نااہلی پر انھوں نے تنقید کے نشتر چلائے ہیں۔ علاوہ ازیں ہماری اقدار و روایات کو بھی انھوں نے ظریفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ سنجیدہ موضوعات کو بھی ہدفِ مزاح بنایا ہے۔ نائن الیون جیسے بین الاقوامی سانحے کو اپنے مضمون کا موضوع بنایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ہمارے ملکی اور معاشرتی بلکہ عالمی حالات و واقعات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اس مزاح پارے میں مزاح پیدا کرنے کے لیے زیادہ تر لفظی چٹکلے بازی کو کام میں لانے کی کوشش کی ہے۔ الفاظ سے کھیلنا اور اٹکھیلیاں کرنا ان کا محبوب مشغلہ اور مزاح پیدا کرنے کا سب سے کامیاب اور اہم حربہ ہے۔ اس تناظر میں وہ کبھی الفاظ کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر اور کبھی الفاظ کے ہیر پھیر سے قارئین کے لبوں پر ہنسی بکھیرنے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ مزاح پیدا کرنے کے لیے لفظی تکرار، تقلیب اور تجنیس کو برتا گیا ہے۔ کہیں کہیں ان کے ہاں فقرے کسنے اور جگت لگانے کا انداز بھی ملتا ہے لیکن ہزل گوئی، ابتذال اور پھکڑ پن کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ انھوں نے اشعار کی تحریف سے بھی کام لیا ہے۔ ہمارے گرد و پیش میں زندگی کے عام اور متنوع کرداروں کی وساطت سے چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ مصنف ان واقعات کے ظریفانہ پہلوؤں کی متحرک تصویر کشی کرتے ہوئے کرداروں کے مکالمے قلمبند کر دیتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے انھوں نے اپنے تخیل کو بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ان کے پیش کردہ کردار، واقعات اور مکالمے حقیقی ہی نہیں، فرضی اور خود ساختہ بھی ہوتے ہیں۔ انھوں نے لطائف کا استعمال بھی بارہا کیا ہے۔

''چھیڑ چھاڑ''

ڈاکٹر ذوالفقار علی کا دوسرا مزاحیہ نثری مجموعہ ''چھیڑ چھاڑ'' کے عنوان سے پہلی بار ۲۰۰۷ء میں حق پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہوا۔ اس مزاحیہ نثری مجموعے کے اب تک متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کے آغاز میں ''اک ذرا چھیڑیے'' کے عنوان سے ڈاکٹر طارق ہاشمی کا مختصر دیباچہ موجود ہے۔ کتاب کے پسِ ورق پر ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے بھی موجود ہے۔ اس مزاح پارے میں کل سترہ کھٹے میٹھے مضامین موجود ہیں۔

''چھیڑ چھاڑ'' کے پہلے مضمون ''ایم۔بی۔بی۔ایس'' میں مصنف نے ہماری قوم کی اجتماعی نفسیاتی کیفیت کا باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے ''ایم۔بی۔بی ایس'' سے مراد ''میاں بیوی بچوں سمیت'' لیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے عورت اور مرد کی خانگی زندگی اور دیگر معاملات زیست کو مزاحیہ پیرائے میں زدِ قلم کیا ہے۔ بڑی چابکدستی سے معاشرے کے تلخ حقائق کو لطیف اور شگفتہ انداز میں قاری کے سامنے رکھا گیا ہے۔ پاکستان میں بڑھتی ہوئی آبادی ایک بڑا مسئلہ ہے جس سے غذائی بحران اور بے روزگاری کے بڑھنے کا خدشہ ہے۔ اس صورت حال کی بڑی وجہ شعور اور تعلیم کی کمی ہے۔ اس حوالے سے وہ یوں گویا ہوتے ہیں:

''یہاں بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ نہ رکھنے کے باعث ہمارا ہر گھرانہ جنجال پورہ بن جاتا ہے گویا وہ گوشۂ عافیت کے بجائے گوشہ آفت بن جاتا ہے اور اس میں صاحبِ خانہ ایم۔بی۔بی۔ایس۔'' (۹)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اپنے مضمون بعنوان ''لائن بناؤ'' میں مختلف سماجی تضادات کی طرف قاری کی توجہ دلانے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہی معاشرتی تضادات ہیں۔ جن کا سامنا ہمیں ہر روز اپنے معاشرے میں کرنا پڑتا ہے۔ اس معاشرتی بے ضابطگیوں اور بے قاعدگیوں میں نظم و ضبط کا فقدان، رشوت کا عام چلن، ملکی قوانین کی خلاف ورزی اور خوشامد شامل ہیں جن کا ذکر مصنف نے مذکورہ بالا مضمون میں کیا ہے۔ اتحاد، ایمان اور تنظیم جیسے فرامینِ قائد کو ہماری قوم فراموش کر چکی ہے۔ نظم و ضبط کی پاسداری کا فقدان ہمیں ہر جگہ دکھائی دیتا ہے:

''ہر کوئی شخص ہمارے ہاں لائن بنانے کی کوشش میں مصروف نظر آئے تو نہ صرف اسے شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اس کا قومی شناختی کارڈ بھی چیک کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ پاکستانی ہی نکلے تو پھر اسے ''جینٹل مین''

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

نہیں بلکہ ''لائن مین'' بنادیا جاتا ہے۔ پھر وہ بجلی اور ٹیلی فون کے کھمبوں پر لٹک کر سدا تاریں ہی کھیے سجے کرتا رہتا ہے
''۔(۱۰)

''شوہر شارٹ'' مصنف کا لاجواب مزاحیہ مضمون ہے جس میں ہمارے معاشرے میں میاں بیوی کی ازدواجی زندگی پر شگفتہ پیرائے میں بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے شوہر اور بیوی کو لازم و ملزوم نہیں بلکہ ظالم و مظلوم بتایا ہے۔ بیوی کی نفسیات اور شوہر کے رویے کو کمال مہارت سے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ مشرقی اور مغربی خاندانوں کا تقابلی جائزہ بھی مزاحیہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے شوہروں کی کئی اقسام بھی بیان کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورت کے ذہن کو سمجھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ یہ ہر صورت گھر اور شوہر کو اپنے قابو میں رکھ کر اس پر حکمرانی کرنے کی تگ ودو میں رہتی ہیں اور اس تناظر میں تعویذ گنڈے سے بھی کام لیتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ آزمودہ بات ہے کہ فرمانبردار بیٹا کبھی آئیڈیل شوہر نہیں بن سکتا۔ میاں بیوی کے رشتے میں انھوں نے شوہر کی بے بسی اور بے چارگی کو شگفتہ انداز میں یوں پیش کیا ہے:

''انسان تقدیر کے ہاتھوں اتنا مجبور نہیں ہوتا جتنا بیوی کے ہاتھوں کیونکہ بیوی سے زیادہ شوہر کی تمام ''کمزوریوں'' سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ ماتحت بعض افسران سے اتنے ہی ڈرتے ہیں جتنا کہ خود افسر اپنی بیوی سے۔ کچھ تشدد شدہ شوہر گھر سے باہر یہی بتاتے ہیں کہ میں بیوی کو جوتی کے برابر سمجھتا ہوں لیکن بیوی اسے جوتی کے برابر ہرگز نہیں سمجھتی۔ گھر میں شوہر کی حیثیت ہماری اسمبلی کے وزیرِاعظم کی طرح ہوتی ہے جسے ہر وقت عدمِ اعتماد کا خطرہ رہتا ہے۔'' (۱۱)

ذوالفقار علی احسن کی تحریروں کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا بنیادی مقصد مزاح نگاری کے ساتھ ساتھ اصلاحِ معاشرہ بھی ہے۔ وہ قاری کو ہمارے معاشرے کی ریاکاریوں اور بے اعتدالیوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مضمون بعنوان ''ہوشیار'' میں مختلف سماجی برائیوں کی طرف اشارہ کر کے قاری کو ان سے ہوشیار رہنے کا درس دیا ہے۔ اس مضمون میں ہماری قوم کی ذہنی پس ماندگی، دوہرے معیار، منافقت اور نااہلیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ ادارے جو عوامی فلاح و بہبود کی خاطر عوام کا پیٹ کاٹ کر بنائے جاتے ہیں وہ اسی عوام کا سانس لینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ جو کام ہمارے اداروں کے اندر ضروری ہے وہ عوام کو باہر سے کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ملک کے ہر خاص مقام اور ادارے کے باہر عوام کو ہی ہوشیار رہنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی قاری کو جیب کتروں، سیاست دانوں، عاملوں، پولیس اہلکاروں، نقالوں، عطائی حکیموں اور بنیاد پرست کٹھ ملاؤں سے ہوشیار رہنے کا درس دیتے ہیں۔ مصنف ہمیں دوسروں پر تنقید کرنے کے بجائے اپنے آپ سے ہوشیار رہنے کا درس دیتے ہیں:

''ایک ضمنی سی ہوشیاری اور بھی ہے افراد سے کام لیتے ہوئے '' افرادی قوت'' کو ذرا ہوشیاری سے قابو میں رکھنا چاہیے تا کہ ملک میں افراد کی تفریط نہ ہو۔ ہم کوئی بھی ذمہ داری خود پہ عائد کرنے کے روادار نہیں ہیں مثلاً بخار ہو جائے تو اس کا ذمہ موسم پہ دھرتے ہیں، گھاٹے کو تجربے کا نام دیتے ہیں اور ناکامی کو تقدیر پر مڑھ دیتے ہیں۔''(۱۲)

جوں جوں ہمارا معاشرہ ترقی کرتا چلا جا رہا ہے توں توں لوگ اخلاقی لحاظ سے پستیوں کی سمت گامزن ہیں۔ یہ ہمارا اجتماعی المیہ ہے کہ ہم مغرب کی اندھی تقلید کے چکر میں اپنی روایات اور ثقافت کو فراموش کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جو اقدار کبھی ہمارا امتیاز اور فخر ہوا کرتی تھیں آج وہ دقیانوسی کے زمرے میں رکھی جا رہی ہیں۔ مغرب کی ملمع کاری سے متاثرہ نام نہاد روشن خیالوں نے معاشرے کو تقلیدِ مغرب کی شاہراہ پر گامزن کر دیا ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اپنے مضمون بعنوان ''صاف چھپتے بھی نہیں'' میں اسی اخلاقی گراوٹ کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ تہذیبِ مغرب کی اندھی تقلید اور ان کے فیشن کے تتبع نے ہماری خواتین کو بے حیائی، بے پردگی اور ذہنی پراگندگی کا شکار بنا دیا ہے۔ جدیدیت اور روشن خیالی کی آڑ میں ہمارے معاشرے میں بے حیائی سرایت کرتی چلی جا رہی ہے۔ اقبال کے خیال میں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب مغرب کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے(۱۳)

ڈاکٹر ذوالفقار علی کی ایک خوبی اور اختصاص یہ بھی ہے کہ وہ اشیا کا مشاہدہ عام روایتی انداز سے ہٹ کر منفرد طور سے کرتے ہیں۔ ان کی قوتِ مشاہدہ بلاشبہ گہری ہے۔ وہ سماج کا مشاہدہ باریک بینی سے کرتے ہیں اور ایک ماہر تیراک کے مانند ان چیزوں کو بھی گہرائی سے نکال کر سامنے لاتے ہیں جن تک رسائی عام ذہنی سطح کے حامل قاری کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس تناظر میں ان کا مضمون ''آرٹ'' لائقِ مطالعہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ ہمارا اجتماعی معاشرتی المیہ ہے کہ ہماری قوم کے ہر منفی عمل کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

آرٹ کا نام دے کر اس پر فخر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔اس مضمون میں ان سماجی برائیوں کو سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے جن لوگوں کو فن تصور کر کے سراہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے ملک میں عصرِ حاضر میں فلمی دنیا میں تیزی سے پھیلتی بے پردگی اور فحاشی کو آرٹ کا نام دے کر نہ صرف نظر انداز کر دیا جاتا ہے الٹا انھیں سراہا بھی جاتا ہے۔سیاست دان اپنی دروغ گوئی، بدعنوانی، دھوکہ دہی اور ملمع کاری کو آرٹ کا نام دیتے ہیں:

> ''آرٹ کا اطلاق زندگی کے ہر شعبے پر ہوتا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فنونِ لطیفہ ہی کا دوسرا نام آرٹ ہے جب کہ ہمارے یہاں فنونِ کثیفہ کے ماہرین بھی ہر کام اس طرح کرتے ہیں کہ وہ فنونِ ''لطیفہ'' بن جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے سیاستدان قوم کو کالا باغ کا جھانسا دے کر سبز باغ پر ٹرخا دیتے ہیں اور سادہ لوح قوم کا دِل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کبھی آرام باغ، کبھی شالامار باغ اور کبھی بادامی باغ۔''(۱۴)

اس مضمون میں انھوں نے واقعاتی مزاح کا حربہ استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تکرارِ لفظی کو بھی مزاحیہ حربے کے طور پر کامیابی سے برتنے کی سعی کی ہے۔

مضمون ''اردو ہے جس کا نام۔۔۔'' میں مصنف نے اردو ادب کی مجموعی معاصر صورت حال اور عہدِ حاضر میں اردو کے تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی کام پر طنز کیا ہے۔لسانی تناظر میں بھی یہ مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔انھوں نے محاورات کے معنی بتا کر بھی مزاح پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اس تناظر میں ادب کے حوالے سے مختلف لطائف بھی اس مضمون میں شامل کر کے قاری کو مسکرانے کا سامان بہم پہنچایا گیا ہے:

> ''یہ تکے بازی کا کلچر ادب میں بھی اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔ جیسے ہمارے ایک کلاس فیلو نے پچھلے دِنوں ایک تنقیدی اجلاس میں افسانہ پڑھا۔اس پر ایک شاعر نے اعتراض یہ کیا کہ جناب صرف آپ ہی نہیں بلکہ آپ کے افسانے کا پلاٹ بھی ڈھیلا ڈھالا ہے۔افسانہ نگار نے اس کا دفاع کچھ یوں کیا کہ جناب میں کوئی سیاستدان یا اعلیٰ افسر تو ہوں نہیں جو مجھے پلاٹ ملیں گے لہذا اسی پر اکتفا کیجیے۔'' (۱۵)

مضمون بعنوان ''انار کلی... فوڈ سٹریٹ'' میں لاہور کی تہذیب اور شہزادہ سلیم اور انار کلی کے قصے کو مزاحیہ انداز میں سپردِ قلم کیا گیا ہے۔اس اجتماعی رویے پر طنز کی چوٹ کی گئی ہے جس میں ہم زندہ انسان کی قدر نہیں کرتے لیکن مرنے کے بعد اس کے نام کی سڑک بنا دیتے ہیں۔ان کے خیال میں ہمارا معاشرہ ماضی پرست معاشرہ بن چکا ہے۔انھوں نے اپنے مضمون بعنوان '' ثقافت اور کثافت'' میں ہماری تہذیب و ثقافت پر بڑھتے مغربی اثرات پر طنز کے نشتر برسائے ہیں۔ مشرقی اقدار و روایات موجودہ عہد میں مغلوب ہو چکی ہیں اور ان پر مغربی اقدار کا رنگ غالب آ چکا ہے جس سے معاشرے میں عجیب و غریب رنگ دکھائی دیتا ہے۔اس مضمون میں ہمارے ملک میں صفائی کے ناقص نظام پر بھی طنز کیا گیا ہے۔

مضمون بعنوان '' بلیک میل'' گو اگر مزاحیہ افسانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اس مزاحیہ مضمون میں ایک سیاہ رنگت کے حامل لڑکے کی زندگی کے چند واقعات کو ایک مربوط کہانی کی شکل میں شگفتہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔''حاجی برادران'' کے عنوان سے شامل مضمون میں انھوں نے دو ایسے تاجر بھائیوں پر طنز کیا ہے جو بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کے مصداق ہیں۔اس مضمون میں ہمارے ملک کے ان بدعنوان تاجروں پر طنز کیا گیا ہے جو مادیت پرستی کی آڑ میں ملاوٹ اور دروغ گوئی جیسے جرائم میں مبتلا ہیں۔اس کتاب کا آخری مضمون ''نظارے'' کے عنوان سے ہے۔اس مضمون میں مصنف نے شہری اور دیہی زندگی میں پائے جانے والی تفاوت کو قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔کرم دین کا کردار سادہ لوح دیہاتیوں کا نمائندہ ہے۔اس مضمون میں شہری تہذیب پر گہرا طنز کیا گیا ہے۔اس کتاب سے متعلق وجیہا نسیم رقمطراز ہیں:

> ''وہ اپنے ارد گرد بکھری ہوئی بدصورتیوں اور معاشرتی ناہمواریوں کو کسی اور نظر سے دیکھتا ہے۔ان کے اندر سے مثبت پہلو نکال لاتا ہے اور ان پر رلانے کی بجائے ہنسا دیتا ہے۔'' (۱۶)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے فکاہیہ مضامین میں سیاست، سماج، اخلاقیات، تعلیمی میدان میں، ازدواجی زندگی اور دیگر معاملاتِ زیست کو موضوع بنایا ہے۔انھوں نے اس مزاحیہ نثر پارے میں طنزیہ اسلوب زیادہ اپنایا ہے اور کہیں کہیں ان کا لہجہ تلخ اور زہر خند ہو جاتا ہے۔اس کے ہاں طنز کی ایک زیریں لہر نے ظہور کیا ہے۔اس طنزیہ پیرائے میں ان کے ہاں رمز، رعایت لفظی، لطائف، چٹکلوں اور ذو معنی اشاروں کے بجائے صورتِ واقع اور کردار سے پھوٹنے والے مزاح کی کیفیت کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔مزاحیہ عنصر نمایاں اور متاثر کن ہے۔اس کے ساتھ ساتھ صنائع شعری کا بر محل برتاؤ ہے۔وہ اگرچہ اپنی نثر کو شاعرانہ بنانے کی شعوری کوشش نہیں کرتے۔ لیکن

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مزاح کو وقار اور تمکنت آشنا کرنے کے لیے ان کے ہاں شعری صنعتیں ایک فطری انداز میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ تجنیس، رعایتِ لفظی، تشبیہ اور تکرار اس حوالے سے بطور خاص توجہ طلب ہیں۔

مزاح نگاری میں شاعری سے استفادے کی کئی ایک نوعیتیں رہی ہیں۔ جن میں ایک نمایاں نوعیت پیروڈی ہے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی کے مزاح میں شاعری اور شعری وسائل کا استعمال ایک منفرد چمک رکھتا ہے۔ شعروں کی پیروڈی کو پڑھ کر شعروں اور مصرعوں کے بر محل استعمال کے فن پر قدرت اور اعلیٰ ذوق کا احساس ہوتا ہے۔ میر تقی میر، مرزا غالب، داغ دہلوی اور علامہ اقبال کے اشعار اور مصرعوں کی تعریف کو اپنے مزاح کا حصہ بنا کر انھوں نے نہ صرف اپنے فن کو نکھارنے کی کوشش کی ہے بلکہ شعری متن کو ایک منفرد ذائقے سے بھی آشنا کر دیا ہے۔ ان کے مزاح میں موضوعاتی اور فکری اعتبار سے رنگا رنگی تو موجود ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلوبیاتی تنوع اور مزاح پیدا کرنے کے لیے مختلف حربوں کا کامیاب استعمال بھی اس مزاح پارے کو قابلِ مطالعہ بناتا ہے۔

''چٹکیاں''

''چٹکیاں'' کے عنوان سے ڈاکٹر ذوالفقار علی کے مزاحیہ مضامین کا تیسرا مجموعہ ۲۰۱۲ء میں حق پبلی کیشنز، لاہور سے چھپ کر سامنے آیا۔ ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا انتساب ''مادرِ علمی جی سی یونی ورسٹی، لاہور'' کے نام ہے۔ اس کتاب پر مختلف اہلِ علم اور اہلِ قلم کی آراء کو بھی اس کتاب میں تفصیلی طور پر شامل کیا گیا ہے۔ ان میں طارق حبیب '' خوش نظر اور خوش نیت مزاح نگار''، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک '' ڈاکٹر ذوالفقار علی ایک مستحسن مزاح نگار''، امجد اسلام امجد '' ڈاکٹر ذوالفقار علی کی چٹکیاں''، انور مسعود ''چٹکی بھر''، ڈاکٹر انور سدید ''سدید نامہ''، فاروق قیصر ''میٹھی چٹکیاں'' اور انور مقصود ''فطری مزاح نگار'' جیسے عنوانات کے تحت اپنی آراء سپردِ قلم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ منو بھائی، ڈاکٹر محمد یونس اور ڈاکٹر سلیم اختر کی آراء کو بھی شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں کل بارہ مضامین شامل ہیں۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مضامین میں ایک عام سی فضا تخلیق کرتے ہیں اور پھر اس تناظر میں موجودہ سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی اور تہذیبوں پہلوؤں کی گھمبیرتا کو شگفتہ انداز میں بیان کرتے چلے گئے ہیں اس حوالے سے ان کا مضمون بعنوان ''انّھے واہ'' بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے ہمارے عوام کی نااہلی، اندھی اور بے جا تقلید اور بھیڑ چال کی روش کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ہماری قوم بنا سوچے سمجھے کسی بھی رستے پر چل پڑتی ہے تاوقتیکہ وہاں سے منہ کی نہ کھانا پڑے۔ اس مضمون میں انھوں نے واقعات کی مدد سے مزاح پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ محاورات کے بر محل استعمال اور لطائف اور چٹکلے بازی کے عناصر بھی دکھائی دیتے ہیں:

> ''ہمارے عوام کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ ہمارا رجحان جس طرف بھی ہو جاتا ہے وہ بھی انّھے واہ ہی ہوتا ہے۔ اگر تاریخی اعتبار سے ہماری قوم بھیڑ سے پہلے کی ہوتی تو آج بھیڑ چال کا محاورہ بھیڑوں کو نہ سننا پڑتا۔ چند سال قبل آلو کی قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ اس سے اگلے سال تمام کاشت کاروں نے انّھے واہ آلو ہی کاشت کیا۔ اور اس طرح اُس سال آلوؤں کا سونامی آگیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس سال آلو کی اتنی ہی وقعت ہوئی جتنی بیرونِ ملک کے ہوائی اڈوں پر گرین پاسپورٹ پکڑے ہمارے لوگوں کی ہوتی ہے۔''(۱۷)

ان کے مضمون بعنوان ''عملی مزاح'' میں ہمارے معاشرے میں موجود چوروں، راہزنوں اور نوسر بازوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ ان کے بقول ہمارا معاشرہ جذبات و احساسات سے عاری ہو چکا ہے۔ اس معاشرے میں جب کسی کے ساتھ کوئی سانحہ پیش آجاتا ہے تو اس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کے بجائے اسے تمسخر کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اسی تمسخر کو مصنف نے عملی مزاح کا نام دیا ہے۔ مذکورہ مضمون میں ہمارے معاشرے میں معدوم ہوتی ہوئی اخلاقی اقدار پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے نوسر بازی کے مختلف مزاحیہ واقعات درج کر کے ان سے ہوشیار رہنے کا درس دیا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل اقتباس قابلِ توجہ ہے:

> ''ہمارے معاشرے میں روٹی کمانے کے چکر میں لوگوں سے عملی مزاح سرزد ہو جاتا ہے نوسر بازوں کی نوسر بازی کے مختلف حربوں پر غور کیا جائے تو عملی مزاح کی مختلف صورتیں ہی سامنے آتی ہیں۔ نوسر بازی کا شکار ہونے والے افراد کے سوا سبھی لوگ اس واقعے سے محفوظ ہوتے ہیں۔'' (۱۸)

ڈاکٹر ذوالفقار علی چونکہ شعبہ اردو سے منسلک ہیں اور مزاح نگار کے ساتھ ساتھ محقق بھی ہیں، سو انھوں نے اپنے مضمون بعنوان ''تحقیق کاریاں'' میں اردو ادب کے محققین کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ مصنف کے خیال میں محققین کی تحقیق سے کسی نامور ادیب کا اتنا ادبی قد کاٹھ نہیں بڑھتا جتنی اس کی تذلیل ہو جاتی ہے۔ محققین ادبا کی زندگیوں کے پوشیدہ پہلوؤں کو بھی اجاگر کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے مذکورہ مضمون میں عصرِ حاضر کے مقالہ نگاروں پر بھی گہرا طنز کیا ہے۔ ان کے خیال میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

آج کل کے نوجوان سکالر سرکہ بازی سے کام لیتے ہیں۔انھوں نے تحقیق کے دوران میں پیش آنے والی مشکلات کا بھی شگفتہ پیرائے میں جائزہ لیا ہے۔انھوں نے انسانی اور حیوانی محققین کے مابین امتیازات کو دلچسپ انداز میں اس سلیقے سے اجاگر کیا ہے کہ قاری اپنی ہنسی پر قابو نہیں رکھ پاتا:

> ''یاد رہے محقق صرف انسانوں ہی میں نہیں پائے جاتے بلکہ یہ ذات شریف حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔حیوانات میں سراغ رسانی اور محققانہ جستجو سب سے زیادہ کتے بلیوں میں پائی جاتی ہے جبکہ تنقید کا مادہ مرغوں کی مادہ میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ تنقید کا ایک معنی مرغی (دیگر داناد نکہ چگنے والے پرندے) کا کسی چیز پر چونچ مارنے کے عمل کو تنقید کہتے ہیں۔''(۱۹)

کردار کے ذریعے مزاح پیدا کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر ذوالفقار علی کا لاجواب مضمون ''دیکھنے ہم بھی گئے تھے'' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔اس مضمون میں ہمیں پطرس بخاری، امتیاز علی تاج اور کرنل شفیق الرحمان کے مزاح کی جھلکیاں واضح طور پر محسوس ہوتی ہیں۔اس مضمون میں انھوں نے ایک مزاحیہ کردار مرزا صاحب کے ذریعے مزاح پیدا کیا ہے۔اس مضمون میں مصنف نے کالج سے سینما گھر جا کر فلم دیکھنے کی روداد کو شگفتہ طور سے موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔یہ مضمون نوجوان نسل کی بے راہ روی پر گہرا طنز ہے۔اس کی سب سے خاص بات مصنف کا نوجوان طلباء اور حکمرانوں کا شگفتہ موازنہ پیدا کرنا ہے۔نوجوانوں کو عمر کے اس حصے میں اپنے سوا کسی کی فکر نہیں ہوتی سوائے اس ڈھائی گرام عضو کے جس کا کام خون پیدا کرنا ہے جبکہ اس کے مقابل حکمران جو کروڑوں افراد کے نمائندگان ہوتے ہیں لیکن دونوں کی شہ خرچیاں اور لابالی عادات ایک سی ہوتی ہیں۔مذکورہ مضمون میں ڈاکٹر ذوالفقار علی نے موازنہ و تضاد کی اس کیفیت کو بطریقِ احسن پیش کیا ہے:

> ''جیسے ہمارے حکمرانوں کو اقتدار میں آتے ہی سب سے پہلے غیر ملکی دورے پڑتے ہیں یوں کالج میں جاتے ہی طالبِ علموں کو سینما کا دورہ پڑتا ہے اور ہم بھی اسی معاشرے کے طالب علم تھے لہذا ہم نے بھی فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ سینما کالج سے ذرا دور تھا۔ہماری جیبیں بھی قومی خزانے کی طرح خالی تھیں اور جیبوں میں جو تھوڑی سی رقم تھی وہ ہم بھی وہاں خرچ کرنا چاہتے تھے جہاں ہمارے اکثر حکمران قومی خزانے کی رقم بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔'' (۲۰)

مذکورہ بالا مضمون میں انھوں نے اقبال کے شعر کا مطلب الٹ کر کے ہمارے سامنے رکھا ہے۔انھوں نے جھپٹنے پلٹنے سے مراد حرکت و عمل کے بجائے لوٹنا کھسوٹنا لیا ہے۔ہمارے سرکاری افسران رشوت ستانی میں جھپٹنے پلٹنے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

انھوں نے اس مضمون میں اردو کے قابلِ قدر شعرا کے اشعار کی پیروڈی سے بھی مزاح پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔مثال کے طور پر حسرت موہانی کے ایک شعر کی تحریف ڈاکٹر ذوالفقار علی نے یوں کی ہے:

ہے مشقِ سخن جاری شادی کی اذیت بھی
اک طرفہ تماشا ہے گل جی کی طبیعت بھی(۲۱)

اردو نثری طنز و مزاح میں کسی بھی مزاحیہ کردار کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے قارئین کو محظوظ کرنا ایک کامیاب حربہ رہا ہے۔اردو ادب کی نثری تاریخ پر نظر دوڑائیں تو کئی نامور مزاحیہ کردار اردو نثری طنز و مزاح کی پہچان بنے۔ڈاکٹر ذوالفقار علی نے بھی اپنے مضمون بعنوان ''چیئرمین'' میں چیئرمین نامی شخص کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مختلف شگفتہ واقعات کو بیان کر کے لاجواب مزاحیہ کردار تخلیق کیا ہے۔مصنف نے مذکورہ مزاحیہ مضمون میں چیئرمین کا اصل نام تو ظاہر نہیں کیا مگر چیئرمین کا پس منظر ضرور بتایا ہے۔دراصل چیئرمین اورینٹل کالج میں پی ایچ ڈی کی کلاس کا چیئرمین منتخب کیا گیا تھا۔انھوں نے مذکورہ مضمون میں چیئرمین کی زندگی کے مضحک پہلوؤں کا عمدہ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔اس کردار کے تناظر میں درج ذیل اقتباس لائقِ توجہ ہے:

> ''چیئرمین میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو کم از کم ایک بڑے آدمی میں جمع ہوتیں۔چیئرمین کی مثال اس بھکاری جیسی ہے جو شدید گرمی میں بس کے انتظار میں کھڑے لوگوں سے بھیک لے اور بالکل سامنے سے رکشہ کروا کے خود چلتا بنے۔''(۲۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مذکورہ بالا مضمون ایک فرضی مزاحیہ خاکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں چیئرمین نامی شخص کے اوصاف کو فکاہیہ انداز میں سامنے لایا گیا ہے۔ اسی طرح مضمون بعنوان ''مظہر بے نیازی'' میں انھوں نے اپنے دوست مظہر علی خاں نیازی جنھیں انھوں نے طنزیہ انداز میں مظہر بے نیازی لکھا ہے، کی شخصیت کا نقشہ کھینچا ہے۔ مذکورہ مضمون میں انھوں نے موصوف کی شخصیت کی عادات واطوار کو شگفتہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ مظہر بے نیازی کا کردار ان لوگوں کا نمایندہ کردار ہے جو اپنے گاؤں یا علاقے ہی کو کل کائنات سمجھ کر زندگی بسر کر لیتے ہیں۔ ان کی تمام خواہشات اسی علاقے کے گرد گھومتی ہیں۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اس کی سادہ دلی، سست روی، پر خلوص اور عاشق مزاج طبیعت کا کچا چٹھا کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ مذکورہ مضمون کے آخری پیرا گراف میں ذوالفقار علی نے مظہرِ بے نیازی کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''وہ من موجی آدمی ہے لیکن بوریت اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہے اس کا المیہ یہ ہے کہ اس کی تمام عادتیں فطرت کے عین مطابق ہیں مگر اس کی سست روی اور جنونی طبیعت سے وہ غیر فطری محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہی باتیں جو اوروں کے ہاں خوبیاں نظر آتی ہیں اس کے ہاں ان کی شدت انھیں مضحکہ خیز بنا دیتی ہے۔''(۲۳)

''کیا سمجھے'' کے عنوان سے ذوالفقار علی احسن کا پانچ کرداروں پر مشتمل ایک مختصر ڈراما ہے۔ اس ڈرامے میں کل گیارہ سین شامل ہیں۔ ان پانچ کرداروں میں نورا، چھیمو، چھیمو کی ماں، بیگم صاحبہ اور حکیم موسا شامل ہیں۔ نورا تیس سال کا نوجوان ڈرائیور ہے جو کہ بیگم صاحبہ کے ہاں ملازمت کرتا ہے۔ چھیمو بائیس سالہ لڑکی ہے جو اسی کوٹھی میں ملازمہ ہے۔ بیگم صاحبہ چالیس سالہ خاتون ہیں جو ایک فلاحی ادارے سے وابستہ ہیں۔ حکیم موسا ایک خاندانی حکیم ہے جو انتہائی لاغر ہے۔ اس کا نام موسا اس کی صحت سے مشابہت رکھتا ہے۔ کہانی کے مرکزی کردار نورا اور چھیمو ہیں۔ بیگم صاحبہ فلاحی ادارے میں تو انسانیت کی برابری اور غریبوں کو قرضے اور امداد فراہم کرنے کی باتیں کرتی ہے مگر گھریلو ملازموں کی تنخواہ دینے میں غفلت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ڈرامے میں تجسس پیدا کرنے کے لیے ڈرامائی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں حکیموں کی لوٹ مار اور غریب لوگوں کی مشکلات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

ذوالفقار علی احسن کی ''چٹکیاں'' کے موضوعات کا جائزہ لیا جائے تو انھوں نے اکثر مضامین مقتدر طبقے کی عیاشیوں اور نااہلی، معاشرے کے بے ڈھنگے پن، معاشرے میں بڑھتی ہوئی بدعنوانی اور مہنگائی اور عوام کی نااہلی اور اندھی تقلید کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ اردو ادب کے محققین، عصرِ حاضر میں تحقیق کے معیار اور تحقیق کاروں کے ذہنی رجحانات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ معاشرے میں بڑھتے ہوئے شاعر حضرات اور ان کی شاعری کو بھی آڑے ہاتھوں لیا گیا ہے۔ موجودہ نظامِ تعلیم اور نوجوانوں کے رجحانات، ترجیحات اور نوجوانوں کی بے راہ روی پر بھی احتجاج بلند کیا گیا ہے۔

ذوالفقار علی احسن کے بعض مضامین پر خاکے کا سا گمان ہونے لگتا ہے۔ ان مضامین میں ''لو آج ہم بھی صاحبِ دیوان ہو گئے''، ''مظہرِ بے نیازی''، ''یونیورسل برادر'' اور ''ہالی پرالی والا'' شامل ہیں۔ کرداری مزاح کی چند عمدہ جھلکیاں میں مذکورہ کتاب میں نظر آتی ہیں۔ مختلف مزاحیہ واقعات اور لطائف کے ذریعے مزاح بھی پیدا کیا گیا ہے۔ اردو کے اشعار سے بھی انھوں نے اپنے مضامین کو مزیّن کیا ہے۔

ذوالفقار علی احسن کی تخلیقی کاوش ''چٹکیاں'' نثری طنز و مزاح میں ایک انفرادیت کی حامل کتاب ہے اور طنز و مزاح کی دنیا میں خوبصورت اضافہ ہے۔ وہ اپنے مخصوص انداز بیان سے اپ کو ہنسانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قاری خود مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دوسری بات جو سب سے زیادہ نمایاں ہے ڈاکٹر ذوالفقار علی احسن دوسرے ادیبوں کے مانند اپنے تخلیق کردہ کردار سے بھی راہِ ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ایک سفاک حقیقت نگار کی مانند بیان کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر "چٹکیاں" ڈاکٹر ذوالفقار علی کی ایسی کتاب ہے جو اپنے پڑھنے والے کو کبھی بوریت کا شکار نہیں ہونے دیتی بلکہ قاری اپنے تمام رنج والم کو بھول کر مایوسی کی کیفیت سے نکل کر شگفتگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس میں شامل تمام مضامین واقعات کی خوبصورتی اور بیان کرنے کی بہترین صلاحیت سے مملو ہیں۔ عمدہ اور شائستہ مزاح لکھنے کے لیے ایک حساس دل اور اور معاشرتی بے اعتدالیوں پر گہری نظر درکار ہوتی ہے پھر اس کے بیان کو ایک ایسا قلم درکار ہوتا ہے جو قاری کو گدگداتا رہے اور کبھی کبھار چٹکی بھی بھرے لیکن اس انداز میں کہ درد سے آہ نہ نکلے بلکہ ہونٹوں پر تبسم بکھر جائے۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی کا قلم ان تمام خوبیوں کو یکجا کر کے ہی حرکت میں آتا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی تحریریں پڑھ کر انسان کے قلب و ذہن میں سوچوں کے نئے در وا ہونے لگتے ہیں۔ ان کا مزاح شائستگی کا مشاہدہ اور انسان دوستی کا غماز ہے جس کی جھلک ان کے ہر مضمون میں ملتی ہے۔ ان کے ہاں موضوعات کی رنگا رنگی بھی وافر مقدار میں موجود ہوئے۔ ان تحریروں میں قاری کو مزاح کی فطری آکسیجن ملتی ہے، جو اس گھٹن ماحول میں تازہ ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا مہیا کرتی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

''چُسکیاں''

ڈاکٹر ذوالفقار علی کا تازہ نثری مزاح پارہ ''چُسکیاں'' کے عنوان سے ۲۰۲۱ء میں مثال پبلشرز، فیصل آباد سے شائع ہوا۔ دو سو چھپن صفحات پر مشتمل اس مزاح پارے کا انتساب مصنف کے والدِ محترم پروفیسر محمد اسلم کے نام ہے۔ پس ورق پر ڈاکٹر روف پاریکھ کی رائے کے علاوہ اس نثری مزاح پارے میں خواجہ محمد زکریا کا مقدمہ ''ہم عصرِ مزاح کا منفرد مجموعہ'' اور ڈاکٹر محمد کامران کا مقدمہ ''کشتِ زعفران کا کیمیا گر'' کے عنوان سے شامل ہے جس میں انھوں نے کتاب اور صاحبِ کتاب سے متعلق رائے دی ہے۔ اس نثری مزاحیہ مجموعے میں کل چودہ مضامین شامل ہیں۔

مزاح پارے ''چُسکیاں'' کے مضمون بعنوان ''ٹوکہ'' ایک نوعیت کا خاکہ معلوم ہوتا ہے جس میں ٹوکا نامی کردار کی فکاہیہ حرکات و سکنات کو پیش کیا گیا ہے۔ ٹوکہ نامی طالب علم ان کا یونیورسٹی دور کا دوست ہے جو اپنی اوٹ پٹانگ حرکات سے سب کو اپنی سمت متوجہ کر لیتا ہے۔ یہ حسین لڑکیوں سے عشق کی پینگیں بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ٹوکہ زندگی کے ہر معاملے میں بلاوجہ ممتاز اور منفرد دکھائی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی ذہنی کیفیت سے متعلق اس خاکے کے آخر میں مصنف یوں اظہارِ خیال کرتا ہے:

> ''ٹوکا، جس کا خیال تھا کہ یونیورسٹی کے مرکبِ لفظی کا دوسرا حصہ ورسٹی دراصل "Worst" سے نکلا ہے یونیورسٹی میں اپنی ''ورسٹ'' قسم کی حسین اور ''بیسٹ'' (Best) قسم کی کثیف یادیں چھوڑ کر چلا گیا بلاشبہ وہ اس دورِ جدید کا کیدو تھا جس نے محبت کی بے شمار لایعنی داستانوں کو امر ہونے سے روکا اور ان گنت وارث شاہوں کو ذہنی اور تخلیقی کرب سے محفوظ رکھا۔'' (۲۴)

''نائی نامہ'' کے عنوان سے انھوں نے دیہی معاشرت میں حجام کا خاکہ مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس خاکے میں انھوں نے گاؤں میں حجام کے کردار کو دلچسپ پیرائے میں قاری کے روبرو پیش کیا ہے۔ گاؤں میں حجام یا نائی لوگوں کی حجامت کے علاوہ دیگر کئی افراد بھی انجام دیتا ہے۔ وہ طبیب بن کر لوگوں کے امراضِ کہنہ کا علاج کرتا ہے اور بچوں کے ختنے بھی کرتا ہے۔ وہ مختلف تقاریب میں پکوان بن کر کھانا بھی بناتا ہے اور گاؤں میں لوگوں کے رشتے بھی کراتا ہے۔ حجام کی دکان گاؤں میں ایک ایسا پلیٹ فارم ہوتا ہے جہاں تمام لوگ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی حجام کی دکان، اس کے کردار اور دیہی معاشرت کو مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہیں اور قاری کو محظوظ کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں:

> ''حمام وہ جگہ ہے جہاں تقریباً ہر وقت دفاعی تجزیہ کار، سینئیر تجزیہ کار، سادہ تجزیہ کار، ماہرِ معاشیات، ماہرِ فلکیات، ماہرِ سیاسیات اور خارجہ پالیسی کے ماہر افراد کا ایک دستہ اپنی فکر انگیز گفتگو کو ٹ کر اس کا کپڑ چھان کر رہا ہوتا ہے اور ان میں سے کچھ کے ہاتھ میں تو باقاعدہ استرا بھی ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی ان کی فکر انگیز گفتگو سن کر فکر کے سمندر میں اسی طرح غرق ہو جاتا ہے جس طرح پرانے وقتوں میں بھی کبھی ''ٹائی ٹینک'' غرق ہو گیا تھا۔''(۲۵)

انھوں نے مزاح پیدا کرنے کی کوشش میں کئی نئی اصطلاحات کو بھی کامیابی سے تراشا ہے۔ اس تناظر میں مذکورہ بالا مضمون میں انھوں نے '' دوشیزہ وفرینیا'' کی اصطلاح گھڑی ہے۔ اپنے ایک مضمون بعنوان ''ہم میچور ہیں'' میں ان افراد پر طنز کے نشتر چلاتے ہیں جو خود کو ہر فن مالا عقلِ کل اور حد سے زیادہ پر اعتماد سمجھتے ہیں۔ اس مضمون میں مغربی ثقافت اور طرزِ معاشرت کی بے جا تقلید کرنے والے افراد کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ نوجوان نسل خود کو زیادہ عقل مند اور ہوشیار سمجھتی ہے اور زیادہ پر اعتماد کی اداکاری کرنے میں اکثر دھوکا کھا جاتی ہے۔ نئی نسل نے مشرقی اور اسلامی اقدار و روایات کو فراموش کر کے ٹیکنالوجی پر انحصار کر لیا ہے۔ اس صورت میں حال کی فکری گھبیرتا کو انھوں نے واقعاتی مزاحیہ انداز میں یوں بیان کیا ہے:

> ''عدم میچورٹی کے زمانے میں اگر کوئی مر جاتا تھا تو لوگوں کو اپنی موت بھی یاد آجاتی تھی اور ان کو مرحوم کی موت کا ایسا صدمہ ہوتا کہ وہ بہت عرصے تک افسردہ رہتے اور جو افسردہ نہیں بھی رہتے تھے وہ بھی کم از کم افسردہ سامنہ ضرور بنائے رکھتے، مگر اب ایسا کم کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ ابھی کل شام ہی کی بات ہے، نمازِ جنازہ کے اجتماع میں، میں نے دیکھا کہ وہاں سوائے ایک غیر میچور بندے کے، سب کے سب تھوڑی تھوڑی دیر بعد موبائل نکال کر سکور چیک کرتے جا رہے تھے۔''(۲۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ان کا مضمون بعنوان ''حلقہ ارباب جوق'' معروف ادبی تنظیم ''حلقہ اربابِ ذوق'' پر طنز کے نشتر چلانے کے حوالے سے نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ ترقی پسند تحریک کے قیام کے بعد چند سال بعد ادب برائے ادب کے پیروکاروں نے ''حلقہ اربابِ ذوق'' قائم کیا، یونس جاوید اس ادبی تنظیم سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''حلقہ ارباب ذوق پاکستان کا سب سے پرانا ادبی ادارہ ہے۔ یہ مسلسل کئی برسوں سے اپنی ہفتہ وار میٹنگیں باقاعدگی سے کرتا رہا ہے۔ جنگ کا زمانہ ہو یا امن کا دور اس کی کارکردگی میں کبھی فرق نہیں آیا۔'' (۲۷)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے ''حلقہ ارباب ذوق'' کی تحریف کر کے اس کا نام حلقہ اربابِ جوک رکھ دیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ چند مذاق کرنے والے افراد کی ادبی بیٹھک ہے جن کا کام صرف تنقید برائے تنقید ہے۔ انھوں نے حلقے کی ادبی کاروائیوں کا مضحکہ خیز خاکہ یعنی کیری کیچر پیش کیا ہے اور عام ادیب کو اس حلقے سے دور رہنے اور اسے سنجیدہ نہ لینے کا مشورہ دیا ہے۔ حلقے سے منسلک نقاد دوسروں کا مقام متعین کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور مصنف کی رائے میں ان کا ادب میں اپنا کوئی خاص مقام نہیں ہوتا۔ حلقے سے مصنف کی دوری اس مضمون میں سے عیاں ہوتی ہے۔ انھوں نے حلقہ اربابِ ذوق کے روایتی ناقدین اور حاضرین سے متعلق اس مضمون کے آخر میں ان الفاظ میں طنزیہ اسلوب میں اظہارِ خیال کیا ہے:

> ''حلقے کے حوالے سے ان کا یہ رویہ بعض اہلِ ادب کو پرانے وقتوں کے ملامتی صوفیوں جیسا نظر آتا ہے۔ یہ ''ملامتی'' قسم کے شاعر ادیب شعر و ادب کی ایسی آبرو ہیں کہ جیسے سوائے خود ان کی اور دوسرا بہتر طور پر نہیں لوٹ سکتا۔ درحقیقت حلقہ اربابِ ذوق ادبی نابغینِ بے روزگار کا ایسا پلیٹ فارم ہے کہ جس کے دروازے جانے والوں کو اپنے لیے بند اور نئے داخل ہونے والوں کو ہمیشہ کھلے ملتے ہیں۔'' (۲۸)

ان کا لاجواب فکاہیہ مضمون ''لفافہ'' جدید سیاسی اور ثقافتی معاشرے میں ایک عام استعمال ہونے والی اصطلاح ہے۔ لفافہ سے مراد وہ مراعات ہیں جو کوئی صحافی کسی سیاسی و غیر سیاسی بڑی شخصیت کی مدح سرائی کر کے وصول کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ لفافہ صحافت کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں رواج پا چکا ہے۔ یہ لفافہ کچھ لوگوں کی ایسی چڑ بن چکا ہے کہ ہمارے کچھ جدید، لسان الطرب، خود شناسی سے ناآشنا اور فرد شناسی میں خود کو یکتا کہنے بلکہ زبردستی کہلوانے والے لفافہ زد صحافی تو اب عدالت میں یہ موقف لے کر جاتے ہیں ہیں کہ جج صاحب ان سے پوچھیے یہ ہمیں لفافہ کیوں کہتے ہیں اور ان کو آئندہ نہ کہنے کی بھی تنبیہ کیجیے۔ اب اگر فاضل جج یہی فیصلہ لکھ دیں اور میڈیا (الیکٹرانک/پرنٹ) میں بھیج دیں کہ کوئی شخص انہیں اس لقب سے نہ پکارے تو ان لفافہ ملزم صحافی کے پلے سوائے لفافے کے اور کیا رہ جائے گا۔ اس مضمون میں لفافے کی اقسام اور اس کی نوعیت کو شگفتہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس تناظر میں انھوں نے عدالتوں، دکانوں، ڈاک خانوں اور اسکولوں میں استعمال ہونے والے لفافوں پر بھی طنزیہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ صحافت کے تناظر میں لفافے کے کردار کو طنزیہ پیرائے میں یوں اجاگر کرتے ہیں:

> ''اس معاشرے میں لفافے کا مفہوم اتنا سادہ نہیں ہے کیونکہ یہاں لفافے بھی کئی طرح کے ہیں۔ لفافے کی اصطلاح عام طور پر صحافیوں اور اینکروں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ویسے یہ اصطلاح کافی حد تک درست بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کچھ صحافیوں اور اینکروں کا تجزیہ پڑھے اور سنے بغیر لوگ یہ بتا سکتے ہیں کہ اس نے کس سیاسی پارٹی کے حق میں بولنا ہے اور کس سیاسی پارٹی کے خلاف زہر اگلنا ہے۔'' (۲۹)

مضمون بعنوان ''تماشے مرے آگے'' کا عنوان انھوں نے غالب کے ایک مصرع ''ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے'' سے لیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے پاکستانی جمہوریت کو ایک تماشا قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہمارے جمہوریت کے علمبرداروں نے ملک کو تماشا بنا دیا ہے۔ ہر ادارہ تباہی کے دہانے پہنچ چکا ہے۔ یہ مضمون ملکی سیاسی اور سلامتی صورت حال پر طنز کی صورت رکھتا ہے۔ اس مضمون کو ایک فکاہیہ سیاسی کالم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کا ماننا ہے کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے ہماری ملکی معیشت، ریلوے، پی آئی اے، سٹیل مل خسارے اور خطرے میں نظر آتی ہے۔ ہماری سیاسی تاریخ شرمناک تصویر پیش کرتی ہے۔ اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے وہ بدعنوانی، ذاتی مفاد پرستی اور طبقاتی تقسیم کو گردانتے ہیں۔ اس سیاسی فکاہیہ کالم نمایاں مضمون میں وہ سیاستدانوں کی روایتی عیاریوں کو طنزیہ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

> ''ہماری سیاسی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارا عموماً ہر حکمران برسرِ اقتدار آتے ہی اپنے آپ کو ''ڈان'' سمجھنا شروع کر دیتا ہے ''ڈان'' کے جس کا پکڑے جانا ناممکن ہوتا ہے۔ معیشت کے نام پر اٹھائے گئے اس اقدامات سے بعض اوقات تو لگنے لگتا ہے کہ پورا پاکستان ہی ریمانڈ پر کرپٹ عناصر کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ المیہ ہے کہ ہمارے لوگ اور سیاستدان ایک

پلیٹ پر تو اکھٹے ہو سکتے ہیں مگر ایک پلیٹ فارم پر نہیں، البتہ "I.M.F" ایک ایسا پلیٹ فارم ہے کہ جس پر حکومت جانے کا ارادہ بھی ظاہر کرے تو اپوزیشن ''بھنبھنانا'' شروع کر دیتی ہے۔'' (۳۰)

مضمون'' کھوچل میڈیا'' میں انھوں نے جدید ٹیکنالوجی کے منفی استعمال اور اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل کو مزاحیہ طریقے سے قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس تناظر میں انھوں نے موبائل فون کے غلط استعمال کی مثال دی ہے۔ ہماری قوم کے نوجوان تصویریں بنا کر اسے سماجی رابطوں کی ویب گاہوں پر پیش کرتے ہیں اور خود نمائی کرتے ہیں۔ پوری قوم اس منفی لت کا شکار ہے۔ وہ جدید ٹیکنالوجی کو شک کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں جس نے نوجوانوں کے ضیاعِ وقت کی عادت کو ہوا دی ہے۔ یہ مضمون جدید ٹیکنالوجی نے غلط استعمال پر ایک طنز کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے مغربی اور مشرقی معاشرے کی نفاست کو بھی شگفتہ پیرائے میں بیان کیا ہے:

''اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ کمپیوٹر اور موبائل فون کو وقت کی بچت کے لیے ایجاد کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بات دنیا میں دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے حوالے سے سچ ہو سکتی ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے وہ لوگ بھی قیامت کی نشانیاں تلاش کرتے پھر رہے ہوں جو اپنی ذات میں دوسروں کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں ہیں۔ یہاں مہنگائی لوگوں کو ٹھڈے مار رہی ہے اور لوگ ایک دوسرے کو مس کالیں مار رہے ہیں۔'' (۳۱)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اپنی چوتھی کتاب میں ذکاوت سے آبِ سادہ کو آبِ رنگین بنا دیا ہے۔ اس تصنیف کے منظرِ عام پر آنے سے قبل ان کی تین کتب ظرافت نگاری میں اپنا مقام پیدا کر چکی تھیں۔ اس کتاب کے مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کے اسلوب اور اندازِ بیاں میں بھی ارتقائی منازل کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس مزاح پارے میں ان کا فنِ مزاح پہلے سے بہت اجلا اور نکھرا نکھرا دکھائی دیتا ہے۔ طنز و مزاح کے فن کو خود ساختہ مزاح نگاروں کے مانند اپنے اس فن کو تنگ دائرے میں مقید نہیں کیا بلکہ قاری کو اس کتاب میں موضوعات اور افکار کی جدت ملتی ہے۔ انھوں نے ایسے موضوعات کو نشانہ طنز بنایا ہے جو ہم سب کے مشاہدے سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس لیے ان میں قاری اپنے اور تحریروں کے درمیان فاصلہ محسوس نہیں کرتا۔ یہ موضوعات معاشرے ہی کی بوالعجبیوں کو سامنے لاتے ہیں اور انھی کو نمایاں کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں ہیں وہ ہر ہر فرد میں رچ بس گئی ہیں۔ ہر شخص مسلسل نظام کی خرابی پر شکوہ کناں نظر آتا ہے۔ لیکن کبھی اس بات پر غور کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے کہ وہ خود بھی اس نظام کی خرابی کا برابر ذمہ دار ہے۔ دوسروں پر تنقید ہمارا شیوہ بن چکا ہے لیکن خود انتقادی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی کی مذکورہ کتاب ان کی سابقہ مزاحیہ کتب سے زیادہ موثر مزاح نگاری کی سمت اشارہ کرتی ہے۔ اس میں موضوعات اور مزاح پیدا کرنے کے حربوں میں تنوع دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی کا مزاح متوجہ کرنے والے کے ساتھ ساتھ چونکا دینے والا بھی ہے۔ ایک حساس ادیب کے طور پر معاشرے کی بے اعتدالیاں خود بخود ان کی نظر کے سامنے آتی ہیں جن کو مضحکے کی آنچ پر چڑھائے بغیر ڈاکٹر ذوالفقار علی نہیں چھوڑتے۔ ان کی چاروں مزاحیہ کتب میں ایک واضح فکری ارتقا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ہاں عصری آگاہی بڑھتی چلی گئی ہے۔ اس لیے ذاتی سے مقامی اور مقامی سے ملکی سطح کے موضوعات کا دائرہ کار عالمی سیاسی تناظر تک رسائی حاصل کرنے لگتا ہے۔ عصری مسائل کے ادراک سے ان کی تنقیدی بصیرت فروزاں ہے اور مسائل کے حل کا تفکر انھیں کبھی کبھی اچھا خاصا مفکر بنا کر پیش کرتا ہے۔ انھوں نے زوال پذیر اور ضرر رساں معاشرتی رویوں کو اخلاقی جرات کے ساتھ اپنے نثری سرمائے میں بھرپور جگہ دی ہے۔ خراب اور ناہموار معاشرتی رویوں کا اظہار انہوں نے بے باکی سے کیا ہے۔ ان کے مضامین ایک ایسے ہشاش بشاش انسان دوست اور مہذب انسان کے تجربات و مشاہدات کا آئینہ خانہ ہیں جن میں افراد، واقعات اور اشیاء کے مضحک پہلوؤں کو بڑے عام فہم اور دلچسپ انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ ان کے مزاح میں شائستگی پائی جاتی ہے جو ان کے گہرے مشاہدے اور انسان دوستی کی عکاس ہے۔ وہ چبائے ہوئے لقموں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ اپنا راستہ خود بناتے ہیں۔ ان کی بے ساختگی اور برجستگی قاری کو گدگداتی ہے۔ ان کے ہاں طنز محض جملوں کے بیان تک ہی موقوف نہیں، بلکہ سنجیدہ اور علمی نثر لکھنے کا وصف بھی ان کے اندر کہیں شدت سے موجود ہے۔ ادب میں بھی عشق کی عجب رمز ہے کہ ادیب کے دماغی اختراع سے قاری کے قلب ذہن براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ذالفقار علی فنِ مزاح نگاری میں اپنی کتب کے ناموں کی طرح اس وادی میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے داخل ہوئے اور چھیڑ چھاڑ کرتے چٹکیاں لینے کی شرارت، بجانے کی طراوت اور چٹکیاں کاٹنے کی شقاوت سے پوری طرح آگاہی حاصل کرنے کے بعد سکون سے اپنی مزاحیہ تحریروں کے مزے کی چسکیاں لے رہے ہیں۔ اس لطف اندوزی میں ان سے زیادہ ان کا قاری مزے لیتا ہے۔

ان کے ہاں مزاح پیدا کرنے کے حربے بھی کافی پختہ اور رنگا رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے لطائف اور چٹکلے بازی سے مزاح نگاری کا آغاز کیا۔ ان کے ہاں مزاح اور طنز کی دونوں صورتیں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں۔ مزاح نگاری کے لیے انھوں نے مضمون جیسی صنف کا انتخاب کیا۔ لیکن اس کے علاوہ انھوں نے مزاحیہ خاکے اور انشائیہ کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی چند تحریروں کو مزاحیہ افسانے بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مصنف کی ایک اور خوبی مزاحیہ کرداروں کی تشکیل بھی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ہے۔انھوں نے پطرس بخاری، کرنل شفیق الرحمان، امتیاز علی تاج اور مشتاق احمد یوسفی کے مانند چند مزاحیہ کردار تخلیق کیے ہیں جو اردو کے زندہ جاوید کردار ثابت ہو سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے مزاح پیدا کرنے کے لیے متنوع حربے برتے ہیں۔ وہ لفظی اور کرداری مزاح، ذکاوت، تحریف اور معیاری طنز کی صلاحیت سے شناسا ہونے کے ساتھ ساتھ خالص مزاح کی فطری صلاحیت سے بھی بہرہ مند ہیں۔ معاصر مزاح نگاری کے گلدستے میں ان کا نام گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ذوالفقار علی،ڈاکٹر:''انکھیلیاں''مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۲۰ء،ص۲۵

۲۔ ایضاً،ص ۳۴

۳۔ ایضاً،ص ۳۸

۴۔ ایضاً،ص ۴۸۔۴۷

۵۔ ایضاً،ص ۶۴

۶۔ ایضاً،ص ۶۹

۷۔ ایضاً،ص ۹۴

۸۔ ایضاً،ص ۱۱۸

۹۔ ذوالفقار علی،ڈاکٹر:''چھیڑ چھاڑ''مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۱۷ء،ص۳۱

۱۰۔ ایضاً،ص ۳۵

۱۱۔ ایضاً،ص ۴۲۔۴۱

۱۲۔ ایضاً،ص ۴۹

۱۳۔ علامہ محمد اقبال: ''کلیاتِ اقبال(اردو)''نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،ص ھیڑ چھاڑ''ص ۶۸

۱۴۔ ایضاً،ص ۷۲

۱۵۔ ایضاً،ص ۱۲۳

۱۶۔ وجیہا نسیم:تبصرہ''چھیڑ چھاڑ''مشمولہ ''تضمین''لاہور،شمارہ۳،مئی، ۲۰۰۸ء،ص۱۴۵

۱۷۔ ذوالفقار علی،ڈاکٹر:''چٹکیاں''مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۱۸ء،ص۴۴

۱۸۔ ایضاً،ص۵۲

۱۹۔ ایضاً،ص ۷۱

۲۰۔ ایضاً،ص ۸۶۔۸۵

۲۱۔ ایضاً،ص ۱۰۳

۲۲۔ ایضاً،ص ۱۱۹

۲۳۔ ایضاً،ص ۱۳۵

۲۴۔ ذوالفقار علی،ڈاکٹر:''چسکیاں''مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۲۱ء،ص۴۴

۲۵۔ ایضاً،ص ۷۰

۲۶۔ ایضاً،ص ۸۹

۲۷۔ یونس جاوید:''حلقہ ارباب ذوق''مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۸۴ء،ص۲۳

۲۸۔ ذوالفقار علی،ڈاکٹر:''چسکیاں''ص ۱۳۴

۲۹۔ ایضاً،ص ۱۳۶۔۱۳۵

۳۰۔ ایضاً،ص ۱۵۵

۳۱۔ ایضاً،ص ۱۸۰